ACADEMIA International Journal for Social Sciences
Volume 4, Issue 3, 2025 ISSN-L (Online): 3006-6638

The Prophetic ﷺ Principles of Social and Moral Reform: An Analytical Study in the Light of Ahadith

سماجی و اخلاقی اصلاح کے نبوی ﷺ اصول: احادیث کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ

Iqra Naheed
rashidbajwa169@gmail.com
Ph.D. Research Scholar, Department of Islamic Studies, University of Sialkot

Dr. Raja Muhammad Zareef Khan
dr.zareefkhan@uskt.edu.pk
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Sialkot
Corresponding Author: * Iqra Naheed rashidbajwa169@gmail.com

Received: 20-07-2025 **Revised:** 26-08-2025 **Accepted:** 04-09-2025 **Published:** 18-09-2025

ABSTRACT

The purpose of this study is to analyze the Prophetic ﷺ principles of reform in the context of the corrupt social and moral practices of the pre-Islamic era, and to demonstrate how the Prophet ﷺ transformed a fragmented nation into a society based on justice, equality and human dignity. The research is conducted through a historical and analytical methodology. By examining classical and modern sources comparatively, the study highlights how the Qur'an and Sunnah established a comprehensive framework of reform through intellectual awakening, educational development, practical example, and moral training. The findings reveal that the Prophetic ﷺ principles of reform are founded upon three major pillars: knowledge, practice, and morality. Through these principles, the negative traits of the Age of Ignorance were redirected towards a constructive path, leading to the formation of an exemplary society. The study concludes that the Prophetic ﷺ principles of reform are not only of historical significance but also provide practical guidance for contemporary societies. This research addresses the limitations of previous studies and presents an integrated and comprehensive analysis that offers practical insights for the modern era.

Keywords: *Prophetic Principles, Moral Education, Societal Values, Analytical Framework.*

تمہید

انسانی معاشرت کی تاریخ گواہ ہے کہ سماجی اور اخلاقی اقدار کسی بھی تہذیب کی بقا و ارتقا میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ جب یہ اقدار کمزور ہو جائیں تو معاشرے میں انتشار، ظلم اور ناانصافی پروان چڑھتے ہیں عرب کا عہد جاہلیت اسی پہلو کی ایک واضح مثال ہے۔، جہاں بہادری اور فصاحت جیسے اوصاف موجود تھے مگر وہ مثبت سمت اختیار کرنے کے بجائے خونریزی، تعصب اور طاقت کے اظہار تک محدود تھے۔ اسی فکری و اخلاقی جمود نے اس معاشرے کو زوال کی انتہا تک پہنچا دیا۔

اسلام کی آمد نے اس زوال پذیر معاشرے کو ایک نئے فکری و اخلاقی شعور سے آشنا کیا۔ قرآن نے سب سے پہلے عقیدۂ توحید کو اساس بنایا، جس نے باطل معبودوں اور قبائلی تفاخر کے نظام کو منہدم کر کے فکر کو آزاد کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس فکری بیداری کو سماجی و اخلاقی سطح پر عملی صورت عطا کی اور علم، عمل اور حسنِ اخلاق کو انسانی تعمیر کا مرکزی اصول قرار دیا۔ اس تربیت کے نتیجے میں وہی افراد جو جاہلی عصبیت میں الجھے ہوئے تھے، ایک ایسے مثالی معاشرے کے معمار بنے جو عدل، مساوات اور انسانی وقار کی بنیاد پر استوار ہوا۔

زیرِ نظر تحقیق کا مقصد اسی تاریخی و فکری تناظر میں نبوی ﷺ اصولِ اصلاح کا تجزیاتی مطالعہ کرنا ہے۔ یہ مطالعہ محض اخلاقی تعلیمات تک محدود نہیں، بلکہ اس امر کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان اصولوں کو کس طرح عملی زندگی میں نافذ کیا اور کس طرح ایک منتشر معاشرے کو تہذیبی و تمدنی قوت میں تبدیل کر دیا۔ مزید یہ کہ یہ تحقیق سابقہ علمی کاوشوں کا جائزہ لے کر اُن پہلوؤں کو نمایاں کرے گی جن میں تشنگی باقی ہے، یوں یہ کام نہ صرف سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں سماجی و اخلاقی تشکیلِ نو کے اصولوں کو اجاگر کرتا ہے بلکہ عصرِ حاضر میں انسانی معاشروں کے لیے بھی ایک رہنما فکری اساس فراہم کرتا ہے، تاکہ یہ اصول محض ماضی کی علمی میراث نہ رہیں بلکہ موجودہ تناظر میں بھی عملیت کے ساتھ کارفرما ہوں۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

زیرِ نظر موضوع پر تحقیق کا سلسلہ ماضی میں بھی مختلف ادوار میں جاری رہا ہے اور متعدد اہلِ علم نے اس کے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ بعض محققین نے اسے تاریخی تناظر میں دیکھا، بعض نے سماجی و تہذیبی زاویوں سے اس پر روشنی ڈالی، جبکہ کچھ نے اس کے فکری و علمی اثرات کو اپنے مطالعے کا مرکز بنایا۔ ابتدائی دور کے محققین زیادہ تر بنیادی ماخذات اور روایتی بیانیوں پر انحصار کرتے رہے، جس کے نتیجے میں ان کی تحقیقات محدود اور ایک ہی زاویے کے دائرے میں رہیں۔ بعد ازاں جدید دور میں اس موضوع پر تحقیقی سرگرمیوں نے زیادہ تنوع اختیار کیا اور مختلف علمی مناہج کے تحت اسے پرکھنے کی کوشش کی گئی۔

تاہم اس تمام علمی کاوش کے باوجود کئی پہلو ایسے ہیں جن پر جزوی گفتگو کی گئی ہے جیسے "مکی دور نبوت اور مسلم اقلیت کا فقہ السیرۃ کی روشنی میں سماجی مطالعہ"، "سماجی زندگی کی اصلاح اسلامی تعلیمات کی روشنی میں" اور "عہد نبوی ﷺ میں مدنی معاشرے کی سیاسی، سماجی اور معاشی اصلاحات کا تجزیاتی مطالعہ" پر کام ہوا ہے۔ سابقہ تحقیقات کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ محققین نے عموماً ایک یا چند پہلوؤں کو اپنا مرکز بنایا، جیسے مخصوص اخلاقی اقدار، سماجی تنظیم یا سیاسی نظم و نسق، جبکہ ایک ہمہ گیر اور مربوط مطالعہ جو مختلف پہلوؤں کو یکجا کرے، کم ہی سامنے آیا ہے۔ اسی طرح بعض تحقیقات نے مخصوص معاشرتی حالات یا جزوی مسائل پر زیادہ زور دیا، لیکن براہ راست اس موضوع پر کام نہیں ہوا۔

موجودہ تحقیق اس موضوع کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کی کوشش ہے۔ یہ تحقیق نہ صرف سابقہ علمی آرا کا جائزہ لے گی بلکہ اُن پہلوؤں کو بھی نمایاں کرے گی جن پر اب تک تحقیقی سطح پر کام نہیں ہوا۔ یوں یہ کام اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک خلا پُر کرنے اور اس میدان میں نئے امکانات پیدا کرنے کی سعی ہے۔

عہدِ جاہلیت سے عہدِ اسلام تک

دین اسلام سے قبل عرب معاشرے کی حالت ایسی تھی کہ سیاسی و سماجی انتشار، معاشی ناہمواری، اور اخلاقی اقدار کی پستی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ تاریخ کی کتب سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ معاشرہ جسے ترقی یافتہ اقوام "جاہل" اور "کم تر" گردانتی تھیں، اپنی داخلی کمزوریوں اور انحطاط کا شکار تھا۔ اگرچہ شجاعت و بہادری، سخاوت و فیاضی، غیرت و حمیت اور فصاحت و بلاغت جیسے اوصاف موجود تھے، مگر ان کا مصرف تعمیری کے بجائے تخریبی تھا۔ نسل در نسل قبائلی جنگیں جاری رہتیں، کئی لڑائیاں محض معمولی باتوں پر چھڑ جاتیں جن کی نہ کوئی معقول وجہ ہوتی اور نہ کوئی مثبت مقصد۔ جب ابتدائی مسلمان ظلم و ستم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرب معاشرے کی اس پسماندگی اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اہمیت کو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کیا:

"شاہا! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، اپنوں سے دشمنی رکھتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم میں سے ایک رسول ہماری طرف بھیجا، جس کے نسب اور صدق و امانت اور پرہیز گاری سے ہم لوگ پہلے ہی واقف تھے۔ اس نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک جانیں، اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، بتوں کی پوجا جو ہم اور ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے چھوڑ دیں، سچ بولا کریں، امانت ادا کیا کریں، اپنوں سے محبت و سلوک رکھیں، ہمسایوں سے نیک سلوک کریں، محارم اور خون ریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں، عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نمازیں پڑھیں، صدقہ دیں، روزے رکھیں۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے، اللہ کی عبادت کرنے لگے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی، حرام کو حرام اور حلال کو حلال جاننے لگے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہم پر ٹوٹ

پڑی اور اذیت دے کر مجبور کرنے لگی کہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بتوں کو پوجنے لگ جائیں اور خبائث کو بدستور سابق حلال سمجھیں۔ جب انہوں نے ہم پر قہر اور ظلم کیا اور ہمارے فرائضِ مذہبی کی بجا آوری میں سدِ راہ ہوگئے، تو ہم آپ کے ملک میں، آپ کی پناہ میں آگئے۔ ہمیں یہ امید ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔"[1]

کردار سازی اور اخلاقی تربیت کے فقدان نے سماج کو اس حد تک متاثر کیا کہ شجاعت و بہادری صرف قتل و غارت گری میں ظاہر ہوتی، فصاحت و بلاغت قبائلی قصیدہ گوئی اور مبالغہ آمیز فخریہ اشعار میں صرف ہو جاتی، اور سخاوت و فیاضی بھی دکھاوے یا قبائلی برتری کے حصول کا ذریعہ بن جاتی۔ الغرض، عربوں کے سامنے زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد نہ تھا۔ بت پرستی اور شرک نے ان کی فکری صلاحیتوں کو مفلوج کر دیا تھا اور وہ روحانی و اخلاقی ترقی سے محروم تھے۔

تبلیغِ اسلام کے ذریعے اہلِ عرب کی سب سے بڑی کمزوری یعنی کفر و شرک اور بت پرستی کو اسلام کی ابتدائی دعوت نے اولین ہدف اصلاح بنایا گیا۔ قرآنِ مجید نے معبودانِ باطلہ کی مکمل نفی کرتے ہوئے توحید کو ایمان کی اساس قرار دیا اور یوں اہلِ عرب کے فکری جمود کو توڑ کر ان میں فکری بیداری پیدا کی۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے ان کی موجودہ خصوصیات جیسے شجاعت و بہادری کو منفی استعمال سے ہٹا کر اعلاءِ کلمۃ الحق کے مقصد کے لیے استعمال کرنے کی تربیت دی۔ اسی طرح سماجی و اخلاقی انحطاط کو قرآن کے انقلاب انگیز اصولوں کے ذریعے اوصافِ حمیدہ میں ڈھالا گیا اور اہلِ عرب میں ایک تعمیری جذبہ بیدار ہوا جس نے بعد میں عالمی سطح پر اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی۔

یہ آپ ﷺ کی اصلاحی حکمتِ عملی اور کردار سازی کا معجزہ تھا کہ دورِ جاہلیت کے عام افراد بھی اخلاقی تربیت کے ذریعے ایسی نمایاں اور امتیازی حیثیت اختیار کر گئے کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے افراد وقت کے جلیل القدر صحابہ بنے۔ انہی میں سے بعض عظیم اسلامی ریاست کے مدبر حکمراں، جان نثار مجاہد اور بے مثال اخلاق و کردار کے حامل قائدین کے طور پر ابھرے۔ گویا نبی کریم ﷺ نے فرد کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور ان کی اخلاقی تربیت اس طرح کی کہ وہ دنیا کے سامنے بہترین نمونہ بن گئے۔

درحقیقت، انسان کو حقیقی معنوں میں انسان بنانے، اس کی فکری و اخلاقی تربیت کے لیے اور اسے مقامِ آدمیت تک پہنچانے کے لیے کسی کامل و اکمل نمونہ کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے یہ نمونہ حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی صورت میں مہیا فرمایا۔ آپ ﷺ کو قیامت تک کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا، اور آپ کی سیرت کا ہر گوشہ انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ کو اختیار کیے بغیر انسان نہ اپنی سماجی و اخلاقی تشکیل کر سکتا ہے، نہ صحیح معنوں میں زندگی کا لطف اٹھا سکتا ہے اور نہ ہی خالقِ کائنات کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ رب العالمین ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[2]

"حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے"

انسانوں کے لئے جب آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو نمونہ اور اسوہ بنا دیا گیا تو اب اسے سامنے رکھ کر زندگی گزارنا اور اخلاقی تشکیل کی مکمل کوشش کرنا ہر ایک کے لئے ضروری و لازمی ہو جاتا ہے۔ اس کے بغیر انسانیت کی کامیابی کا تصور محال اور معاشرہ کی درستگی کا عمل ادھورا رہ جاتا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ سے انسانیت کی تعمیر کے لئے اجمالی طور پر تین چیزیں ضروری ہیں، بعض اہل علم نے انہیں سیرت نبوی ﷺ کا خلاصہ اور نچوڑ بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی سیرت و حیات کے ذریعہ انسانیت کی جس انداز سے عملی تربیت فرمائی ہے اور اسے سنوار کر جس مقام تک پہنچایا ہے تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہ تو اس سے قبل اور نہ ہی اس کے بعد ملے گی۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پوری انسانی زندگی کے لئے کافی ہے، انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ ﷺ کی سیرت انسانیت کی رہنمائی کرتی نظر نہ آتی ہو، علم، عقائد، عبادات، تجارت، سیاحت، قیادت، حکومت، عدالت، میدانِ کارساز، خلوت، جلوت غرض ہر موڑ پر آپ ﷺ نے اپنی سیرت کے ذریعہ وہ دستورِ حیات دیا ہے اور ایسا منظم و مرتب، پاکیزہ اور مضبوط راستہ عطا کیا ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اسی تناظر میں سماجی و اخلاقی اصلاح کے تین اہم عوامل سامنے آتے ہیں، جن کی بنیاد سیرتِ نبوی ﷺ سے اخذ کی گئی ہے۔ ان میں سب سے پہلا اور بنیادی عامل علم ہے، کیونکہ اصلاحِ معاشرہ کا آغاز شعور اور بصیرت کے بغیر ممکن نہیں۔

---

[1] نور بخش توکلی، پروفیسر، علامہ، سیرت رسول عربیﷺ، کتب خانہ امام احمد رضا؛ دربار مارکٹ لاہور، ص: 62-63

[2] الاحزاب 33:21

ACADEMIA International Journal for Social Sciences
Volume 4, Issue 3, 2025 ISSN-L (Online): 3006-6638

سماجی واخلاقی اصلاح کے ضروری عوامل

☆ **علم**

انسانیت اپنی سیرت و کردار سنور نا چاہتی ہے اور اپنے افعال واعمال صحیح کرنا چاہتی ہے تو سیرت نبوی سب سے پہلے علم کی طرف اس کا رخ موڑتی ہے اور اسے بتاتی ہے انسانی کردار کو سنوارنے اور بلند مقام پر پہنچانے اور خلیفۃ اللہ فی الارض کا حقیقی مصداق بننے کے لئے علمی پیاس بجھانا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانیت کی توجہ سب سے پہلے علم ہی طرف مبذول کروائی ہے اور انہیں حصول علم میں جدوجہد کرنے اور اپنے اندر کمالِ علم پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے، بلکہ آپ ﷺ پر غارِ حراء میں نازل ہونے والی پہلی آیت کے پہلے جزو کا پہلا حرف " اِقراء " ہے، جیسا کے ارشاد خداوندی ہے:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ [3]

"اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔"

اس کے ذریعہ پوری دنیا کو ایک پیغام دے دیا گیا کہ اب ضلالت وگمراہی، جہالت کی تاریکی اور بے علمی کے بادل چھٹنے والے ہیں اور محسن انسانیت کے علم و عمل، اخلاق و کردار اور صاف وشفاف سیرت کا عملی سورج دھرتی پر طلوع ہو چکا ہے جس کی روشن کرنوں سے مشرق و مغرب اور شمال وجنوب کا ہر ذرہ ذرہ روشن اور منور ہو جائے گا، علم دو طرح کے ہیں ایک علم ربانی اور دوسرے علم مادی، ایک خدا کی پہچان کرواتا ہے، اس کے احکام بتاتا ہے، زندگی کے اصول سکھاتا ہے، جینے کا ڈھنگ عطا کرتا ہے، بندگی کے مقام تک پہنچاتا ہے، عبدیت کی منزل پر لے جاتا ہے اور جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو انسان کا مقصود و مطلوب اور اس کا حقیقی ٹھکانا ہے، اسی کو علم وحی بھی کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہی حقیقی معنی میں علم بھی ہے، دوسرا مادی علم ہے، یہ انسانوں کو زندگی گزارنے میں سہولیات فراہم کرتا ہے، ضروریات زندگی میں اس کی مدد کرتا ہے، کل کی تیاری میں اس کا معاون و مددگار بنتا ہے اور دنیا کے رازوں سے پردے ہٹاتا ہے، گویا یہ بھی علم ربانی ہی کی ایک شاخ اور ٹہنی ہے، قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ علم والے اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کے ارشاد خداوندی ہے:

قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ [4]

"فرما دیجیے کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں۔ بس نصیحت تو عقلمند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔"

کہ اللہ کے کلام نے کائنات کے سارے رازوں کو افشاں کیا ہے اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں زمین کے خزانے، سمندری ذخائر اور آسمان میں موجود نئی نئی چیزوں کا انکشاف کیا گیا ہے، آج جتنی بھی مادی ترقی ہوئی ہے اور لوگوں نے زمین و آسمان کے درمیان چیزوں کا پتہ لگایا ہے یہ سب قرآن کریم ہی کی مرہون منت اور اسی کا صدقہ ہے، سیرت نبوی انسانیت کی تعمیر کے لئے تعلیم کو لازم اور حصول علم کی طرف قدم بڑھانے کو ضروری قرار دیتی ہے، علم کو نور قرار دے کر اس کی روشنی میں زندگی کے سفر کو طے کرنے کی ترغیب دیتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے سیرت انسانی کی تعمیر وارتقاء، ہمہ مقصد فوائد کے حصول اور اس کے اخلاق و کردار کی بلندی کے لئے علم کو لازم قرار دیا ہے، سیرت نبوی ﷺ اس شخص کی تحسین کرتی ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جو حصول علم کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے:

---

[3] العلق 1:96

[4] الزمر، 9:39

مَن سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا مِن طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَن فِي السَّمٰوَاتِ، وَمَن فِي الْأَرْضِ، وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ[5]

"جو شخص کسی راستے میں حصول علم کی خاطر چلا ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر چلائے گا۔ اور بلاشبہ فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں، اور صاحب علم کے لیے آسمانوں میں بسنے والے، زمین میں رہنے والے اور پانی کے اندر مچھلیاں بھی مغفرت طلب کرتی ہیں۔ اور بلاشبہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسے ہی ہے جیسے کہ چودھویں کے چاند کی سب ستاروں پر ہوتی ہے، بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کوئی درہم و دینار ورثے میں نہیں چھوڑے ہیں۔ انہوں نے علم کی وراثت چھوڑی ہے۔ جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے بڑا نصیبہ (وافر حصہ) پایا۔"

جد و جہد مسلسل کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے اور دور دراز مقامات پر پہنچ کر علم کی پونجی حاصل کرتا ہے، کیونکہ علم وہ لاقیمت دولت ہے جس کا کوئی بدل نہیں اور جس کے بغیر انسانیت کی اصلاح و فلاح ممکن ہی نہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے ارشاد فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوری زندگی معلم انسانیت بن کر گزاری اور اپنی پاکیزہ عملی زندگی کے ذریعہ انسانیت کی وہ گراں قدر تعمیر فرمائی جس کی تاریخ انسانی میں کوئی نظیر نہیں، آپ ﷺ نے جاہلیت، جہالت، ظلم و بربریت اور عروج حیوانیت کے دور میں اپنے علم و عمل اور اپنی سیرت و تربیت کے ذریعہ قوم کی علمی، عملی، سماجی، اخلاقی اور معاشرہ کی ایسی خوبصورت تشکیل فرمائی کہ اس سے قبل نہ ایسی صالح قوم دیکھنے میں آئی اور نہ بعد میں دیکھنے کو ملے گی، علم دین کا حصول تو اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ اسی پر اعمال کا مدار اور اس کی قبولیت کا انحصار ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی و خواہش معلوم کرنے کا یہ ذریعہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و احکامات اور آپ ﷺ کی سیرت کا تعلق بھی اسی سے ہے اور آخرت میں کامیابی و نجات کا مدار بھی اسی علم سے جڑا ہوا ہے۔

دینی علم سے محرومی آدمی کے لئے نہ صرف باعثِ شرمندگی ہے بلکہ ذلت و رسوائی کا سبب بھی ہے، جو لوگ علم دین کے حصول سے غفلت کرتے ہیں ان کے شیطانی جال میں گرفتار ہونے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں، یا تو وہ خود سے عمل کرنے لگتے ہیں یا پھر عموماً آزاد ذہن لوگوں سے رہنمائی لے کر عملی اقدامات کرنے لگتے ہیں، اس لئے علم دین کا حصول بقدر ضرورت لازمی ہے۔ رہا دنیوی علم تو عالم انسانیت کی زندگی کو بہتر بنانے کی غرض سے اس کا حاصل کرنا جائز ہے بلکہ عبادت ثواب ہے، اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ ایک کامیاب معاشرہ اور صالح تہذیب و تمدن کے قیام کے لئے ہر طرح کے ماہرین علم و فن کی ضرورت ہوتی ہے، اگر ایسے افراد ملت کے اندر نہیں ہوں گے تو بسا اوقات شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے، سیرت نبوی ﷺ میں اس سلسلہ میں رہنمائی موجود ہے، آپ ﷺ نے یہودیوں سے خط و کتابت کے لئے ان کی بولی جانے والی سریانی زبان سیکھنے کی صحابہ کرام کو ترغیب دی۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے صرف پندرہ دنوں میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"امرني رسول الله ﷺ ان اتعلم له كلمات من كتاب يهود، قال: إني والله ما آمن يهود على كتاب، قال: فما مر بي نصف شهر، حتى تعلمته له، قال: فلما تعلمته كان إذا كتب إلى يهود كتبت إليهم، وإذا كتبوا إليه قرات له كتابهم[6]"

"رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کے لیے یہود کی کچھ تحریر سیکھ لوں، آپ ﷺ نے فرمایا: " اللہ کی قسم! میں یہود کی تحریر پر اعتماد و اطمینان نہیں کرتا"، چنانچہ ابھی آدھا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے آپ ﷺ کے لیے اسے سیکھ لیا۔ کہتے ہیں: پھر جب میں نے سیکھ لیا اور آپ ﷺ کو یہودیوں کے پاس کچھ لکھ کر بھیجنا ہوا تو میں نے لکھ کر ان کے پاس بھیج دیا، اور جب یہودیوں نے کوئی چیز لکھ کر آپ ﷺ کے پاس بھیجی تو میں نے ان کی کتاب (تحریر) پڑھ کر آپ ﷺ کو سنا دی۔"

نیز صنعت و حرفت کا سیکھنا اور اس کے ذریعہ سے ضروریات زندگی کو پورا کرنا اور دوسروں کی ضرورت کی تکمیل میں معاون بننا بھی دین ہی کا حصہ ہے اور اس کے سیکھنے اور اس علم کے حاصل کرنے کی اسلام تعلیم دیتا ہے بلکہ اس کی نشر و اشاعت کی اجازت بھی دیتا ہے، بلکہ قرآن کریم میں ان انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ نہایت وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم صنعت

[5] السجستانی، ابو داود، سلمان بن اشعث، سنن ابی داود، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، مکتبہ شاملہ، رقم الحدیث: 3641

[6] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الاستیذان الاداب، باب ماجاء في تعليم السريانية، مکتبہ رحمانیہ، ج:2، ص:559، رقم الحدیث 2628

وحرفت سے نوازا تھا اور انہیں صنعتی فنون میں مہارت حاصل تھی، سیرت نبوی ﷺ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ جس چیز سے انسان کو حقیقی نفع حاصل ہوتا ہو اور اس سے انسانیت کی اصلاح مقصود ہو تو اس کا حصول ایک مستحسن عمل ہے، سیرت نبوی ﷺ بتاتی ہے کہ تعمیر انسانیت کے لئے حصولِ علم نہایت اہم اور لازمی جزو ہے، اس کے بغیر انسانیت کیا اصلاح کا تصور محال ہے۔ یوں ہی جیسے سیرتِ نبوی ﷺ نے انسانیت کو یہ حقیقت سمجھائی کہ سماجی واخلاقی اصلاح کے کے لئے علم بنیاد ہے، ویسے ہی اس علم کی تکمیل اور اس کے حقیقی ثمرات کے حصول کے لئے عمل ناگزیر اور لازمی جزو ہے۔

☆ عمل

انسانی زندگی کی تعمیر وترقی اور ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے سیرت نبوی ﷺ نے جہاں علم کو ضروری قرار دیا ہے وہیں اس کے لئے عمل کو بھی ضروری گردانہ ہے، کیونکہ علم مطالبہ کرتا ہے عمل کا، جس طرح درخت پھل کے بغیر اپنی قیمت نہیں رکھتا اسی طرح عمل کے بغیر علم بھی اپنی کشش کھو دیتا ہے، کسی کہنے والے نے درست کہا ہے کہ " علم عمل کے بغیر اس جسم کی مانند ہے جو جان اور روح سے خالی ہے۔" انسان کی کامیابی وترقی کے لئے عملی زندگی ضروری ہے، اس کے بغیر انسانیت کی تعمیر کا تصور ناممکن بلکہ محال ہے، قرآن کریم میں علم رکھنے والے بے عمل کو اس گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے، جس پر کتابوں کا بوجھ رکھا گیا ہو۔ ارشاد رب العالمین ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا[7]

"جن لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انہوں نے اس کا بوجھ نہیں اٹھایا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو "

اس آیت مبارکہ میں تورات کے ماننے والوں کی بے عملی کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تورات اور اس میں بیان کردہ احکامات کو جاننے کے باوجود ان پر عمل نہیں کرتے، اس لیے ان کی مثال ایسے گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ تو لادا گیا ہو مگر وہ ان کتابوں کے نفع سے خالی ہو۔ کیونکہ علم کا اصل مقصود عمل ہے، اور جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ محض بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس مثال کے ذریعے ان تمام لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے جو علم سے واقف ہونے کے باوجود عملی کوتاہیوں کا شکار رہتے ہیں اور بے عملی کی زندگی گزارتے ہیں۔

سیرتِ طیبہ ﷺ کا ہر گوشہ عمل کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں کہیں بھی ایسا نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے کسی بات کا حکم دیا ہو اور خود اس پر عمل نہ کیا ہو۔ بلکہ آپ ﷺ نے ہر تعلیم کو پہلے اپنی عملی زندگی میں نافذ کیا اور پھر امت کو اس کا حکم دیا، تاکہ واضح ہو جائے کہ حقیقی علم وہی ہے جو کردار اور عمل میں جھلکے۔ اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں واضح فرمایا:

لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ اَرْبَعٍ: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهٖ مَاذَا عَمِلَ بِهٖ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ، وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ[8]

"قیامت کے دن بندے کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں گے یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا: اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری، اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا۔"

یہ حدیث اس بات کو مزید واضح کرتی ہے کہ علم محض جاننے کا نام نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا اصل ذمہ داری ہے۔ جو لوگ علم کے باوجود عمل سے غافل رہتے ہیں وہ اسی تنبیہ کے مستحق ہیں جس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے، اور جو علم کو عمل کے ساتھ جوڑتے ہیں وہی دنیا و آخرت میں کامیابی پاتے ہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے صرف علم کے حصول پر زور نہیں دیا بلکہ اس بات کی بھی تعلیم دی کہ علم اس وقت ہی حقیقی قدر رکھتا ہے جب وہ انسان اور معاشرے کے لیے نفع مند ہو۔ اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

---

[7] الجمعہ 5:62

[8] ابن مفلح، شمس الدین، الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ ، فصل فی طلب العلم وما یبدا بہ منہ وما ھو فریضۃ منہ وفضل اھلہ، مکتبہ شاملہ ، ج:2، ص:39

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ[9]

"اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔"

یہ دعا اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ محض نظری علم کافی نہیں بلکہ اسے عملی زندگی میں نافذ کرنا ضروری ہے۔ اسی اصول کو آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے ہر لمحے میں عملی شکل میں پیش کیا۔ خواہ آپ ﷺ گھر میں ہوں یا باہر، سفر میں ہوں یا حضر میں، میدانِ جنگ میں ہوں یا امن کے مقام پر، ساتھیوں کے درمیان ہوں یا دشمنوں کے بیچ، لین دین کے معاملات ہوں یا عدل و انصاف کے مواقع، حتیٰ کہ عبادت کا وقت ہو یا عیادت کا موقع ہو، ہر موقع پر آپ ﷺ نے علم کو عمل کا جامہ پہنا کر ایک مکمل نمونہ فراہم کیا۔ اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

اِنما الاَعمال بِالنیّات[10]

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

یہی خالص نیت، کردار کی طاقت اور عملی قوت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے صفا کی چوٹی سے تنہا کلمۂ توحید بلند کیا اور حق کی صدا لگائی۔ اس کے نتیجے میں چند ہی سالوں میں عرب کا چپہ چپہ نورِ توحید سے جگمگا اٹھا اور وہ قوم جو بت پرستی اور شرک میں ڈوبی ہوئی تھی، اسلام کے دامنِ امن سے ایک نئی زندگی پانے میں کامیاب ہوئی۔ سیرتِ نبوی ﷺ واضح کرتی ہے کہ قوموں کے عروج و ترقی کا اصل راز ان کا عملی کردار اور خالص نیت ہے۔ جب علم کو عمل کا پیکر بنا دیا جائے تو وہی عمل اپنی اصل تکمیل اُس وقت پاتا ہے جب وہ حسنِ اخلاق کے زیور سے آراستہ ہو کر انسانیت کے دلوں کو فتح کرتا ہے، اور یوں ایک مضبوط اور صالح معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔

اخلاق

سیرت نبوی ﷺ بتاتی ہے کہ انسانیت کی تعمیر کے لئے "حسن اخلاق" نہایت ضروری ہے، حسن اخلاق سے انسان معاشرہ میں وہ مقام پاتا ہے جو گلستان چمن میں "گلاب" کو ملتا ہے، تلوار کے ذریعے تو صرف جنگ جیتی جاتی ہے اور اخلاق کے ذریعے دل جیتے جاتے ہیں، تلوار کی دھار سے تو گردن کٹتی ہے اور زبان و اخلاق کی دھار سے دل جُڑتے ہیں، اور کاٹنے والی چیز سے جوڑنے والی چیز بہتر ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[11]

"اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں"

آپ ﷺ کی سیرت اخلاق حسنہ کا مینارہ نور ہے جس سے دنیا کا ہر ذرہ روشن ہوا، آپ ﷺ نے انسانیت کو اخلاق حسنہ کی وہ تعلیم دی جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ انسانی عاجز اور قاصر ہے، آپ ﷺ نے نہ صرف اپنے اقوال وارشاد کے ذریعہ انسانیت کو اخلاق حسنہ کے اختیار کرنے کی تعلیم دی بلکہ خود اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے، آپ ﷺ نے اخلاق حسنہ کو کامل ایمان کی نشانی بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

[9] کتاب الاستعاذۃ، مکتبہ شاملہ، رقم الحدیث: ، نسائی، امام، ابو عبدالرحمٰن، احمد بن شعیب، السنن النسائی، باب : الاستعاذۃ من دعاء لا یسمع
5539

[10] قشیری، امام، ابوالحسن، مسلم بن الحجاج، الصحیح المسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ: انما الاعمال بالنیۃ، مکتبہ رحمانیہ، ج:2، ص:149، رقم الحدیث 4927

[11] القلم 4:68

اکمل المؤمن ایمانا احسنھم خلقا[12]

"کامل مؤمن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں"

اخلاقِ حسنہ کا حامل شخص اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے نفلی عبادات انجام دینے والے عبادت گزاروں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

ان المؤمن لیدرک بحسن خلقہ درجہ الصائم القائم[13]

"مؤمن اپنے حسن اخلاق سے دن میں روزہ رکھنے والے اور رات میں عبادت کرنے والے کا درجہ پالیتا ہے "

بلکہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے حسن اخلاق کو میزان عمل کی سب سے وزنی چیز قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ما من شئی یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق[14]

"میزان عمل میں حسن اخلاق سے زیادہ کوئی وزنی چیز نہ ہوگی"

اخلاق یہ نہیں کہ صرف بول چال میں نرمی اختیار کی جائے یا خندہ پیشانی سے ملاقات کرلی جائے بلکہ اخلاق کا معنی و مفہوم نہایت جامع اور وسیع ہے، ہر اچھائی کے کام کو احسن طریقے سے ادا کرنا اور ہر بُرائی کے کام سے بچنے کا نام اخلاق ہے، عبادت کو مکمل آداب کی رعایت سے ادا کرنا، بدکلامی کا جواب نرم کلامی سے دینا، بُرائی کے بدلے میں بھلائی سے پیش آنا، قرض وصولی میں نرمی کرنا، دشمن کو معاف کر دینا، لین دین میں سہولت پہنچانا، غصہ پر ضبط کرنا اور حق پر ہونے کے باوجود صلح میں پہل کرنا یہ سب حسن اخلاق میں داخل ہیں، جو قوم اخلاق حسنہ سے متصف ہوتی ہیں ۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا زعیم ببیت فی ربض الجنۃ لمن ترک المراء، وإن کان محقا، وببیت فی وسط الجنۃ لمن ترک الکذب، وإن کان مازحا، وببیت فی اعلی الجنۃ لمن حسن خلقہ[15]

"میں اس شخص کے لیے جنت کے اندر ایک گھر کا ضامن ہوں جو لڑائی جھگڑا ترک کر دے، اگرچہ وہ حق پر ہو، اور جنت کے بیچوں بیچ ایک گھر کا اس شخص کے لیے جو جھوٹ بولنا چھوڑ دے اگرچہ وہ ہنسی مذاق ہی میں ہو، اور جنت کی بلندی میں ایک گھر کا اس شخص کے لیے جو خوش خلق ہو۔"

کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، بلندیاں اس پر فخر کرتی ہیں، اس کے بلند کردار کی وجہ سے تاریخ کے صفحات اس پر ناز کرتے ہیں، سیرت نبوی ﷺ ہر باب حسن اخلاق سے منور ہے، آپ ﷺ کی سیرت سے جڑے بغیر اور اخلاق حسنہ کی کشتی میں سواری کئے بغیر کوئی بھی قوم اپنی اخلاقی تشکیل نہیں کر سکتی اور نہ ہی کامیابی سمیٹ سکتی ہے، جو قومیں بھی آج مقام ترقی پر فائز نظر آرہی ہیں اور اپنی زندگی میں خوش حال اور قوموں کی سردار دکھائی دے رہی ہیں در اصل انہوں نے جان لیا کہ انسانیت کے ارتقاء کا راز سیرت نبوی ﷺ اور اخلاق نبوی ﷺ ہی ہے، تقریباً چودہ صدی قبل ہدایت عالم، معلم انسانیت اور مجسم اخلاق حضرت محمد ﷺ نے انسانی ذات کی تعمیر و ترقی کے لئے علم، عمل اور اخلاق کو نہ صرف لازم قرار دیا بلکہ اس کے ذریعہ وہ بلند کردار جماعت تشکیل دی جسے دیکھ کر فرشتے بھی رشک کرتے تھے اور جن کے قدموں کی دھول مل جائے تو دنیا کا نصیب چمک جائے، اور جو لوگ جس زمانے اور جس علاقہ میں بھی انسانی ذات کی تعمیر کے لئے جب بھی اس طریقے کو اپنائیں گے کامیابی ان کا مقدر بنے گی اور وہ زمین پر رہ کر بھی اس طرح چمکیں گے جس طرح آسمان کے ستارے چمکتے ہیں۔

---

[12] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا، ص:349، رقم الحدیث 1125

[13] السجستانی، ابو داؤد، سلمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، مکتبہ رحمانیہ، ج:2، ص:318، رقم الحدیث:4798

[14] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حسن الخلق، ص:464، رقم الحدیث: 1962

[15] السجستانی ، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، مکتبہ شاملہ، رقم الحدیث:4800

اسی طرح علم، عمل اور اخلاق ساتھ ساتھ کچھ ایسی اعلیٰ اقدار اور اوصاف بھی ہیں جو اس عمارت کو مضبوطی اور پائیداری فراہم کرتے ہیں۔ یہ اوصاف نہ صرف فرد کی شخصیت کو نکھارتے ہیں بلکہ پورے معاشرے کو ایک مثالی اور متوازن نظام کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان اعلیٰ اقدار میں رواداری، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مساوات، حلم، بردباری، صبر اور قناعت نمایاں اور لازمی حیثیت رکھتے ہیں۔

رواداری ایسی قدر ہے جو معاشرے میں برداشت، باہمی احترام اور ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہے۔ یہ اختلافات کو تعصب، نفرت اور ٹکراؤ میں بدلنے کے بجائے مثبت مکالمے اور تعاون میں ڈھالتی ہے۔ جب رواداری کو معاشرتی اصول کے طور پر اپنایا جائے تو مختلف مذاہب، طبقات اور نظریات رکھنے والے لوگ امن و سکون کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلامی معاشرت کا ایک نہایت اہم فریضہ ہے۔ یہ نیکی کو فروغ دینے اور برائی کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ جب معاشرے کے افراد نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے اس اصول کو اپناتے ہیں تو معاشرہ منکرات، ظلم، اور بگاڑ سے پاک ہو جاتا ہے اور خیر و بھلائی کا مرکز بن جاتا ہے۔ مساوات معاشرتی عدل اور انصاف کی بنیاد ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ تمام انسانوں کو رنگ، نسل، زبان، مقام یا دولت کے فرق سے بالاتر ہو کر برابر سمجھا جائے۔ اسلام نے مساوات کے ذریعے غلام اور آقا، امیر اور غریب، اور حاکم و محکوم کے درمیان موجود تمام خلیجوں کو ختم کر دیا اور اصل معیار کو صرف تقویٰ اور نیک اعمال قرار دیا۔ حلم اور بردباری ایسے اوصاف ہیں جو انسان کو غصے، انتقام، اور جلد بازی جیسے منفی جذبات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ معاشرتی تعلقات کو امن، سکون اور محبت سے بھر دیتے ہیں اور تنازعات کے حل کے لیے صلح جوئی اور حکمت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ صبر زندگی کی مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنے کے لیے انسان کو مضبوط بناتا ہے۔ یہ انسان کو مایوسی اور بد عملی سے بچا کر اسے استقامت اور ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔ قناعت انسان کو حرص، لالچ اور حسد سے نجات دلاتی ہے اور دل کو اطمینان اور سکون فراہم کرتی ہے، جس سے معاشرے میں معاشی اور روحانی توازن قائم رہتا ہے۔

یہ تمام اقدار کسی بھی معاشرے کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہیں جو بنیاد کے لیے اینٹوں اور سیمنٹ کی ہوتی ہے۔ جب معاشرے کے افراد ان اوصاف کو اپنی زندگیوں میں راسخ کر لیتے ہیں تو ایک ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے جو نہ صرف مادی ترقی کو فروغ دیتا ہے بلکہ روحانی بلندی اور اخلاقی عظمت کی روشن مثال بھی قائم کرتا ہے۔ یوں سیرتِ نبوی ﷺ محض ایک تاریخی ورثہ نہیں بلکہ ہر دور میں ایک زندہ اور جامع دستورِ حیات کے طور پر سامنے آتی ہے، جو فرد، خاندان اور معاشرے کو فلاح و کامیابی کے راستے پر گامزن کرتی ہے۔

سماجی و اخلاقی اصلاح کے اصول و ضوابط

آقا دو جہاں ﷺ نے بہت سی شخصیات کی تعمیر فرمائی اور انسانوں کو ایسے اصول و ضوابط سے روشناس کروایا جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اوج ثریا تک پہنچ سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ سے مساوات انسانی کا درس دیا ہے۔ کہ بنیادی انسانی ضروریات ہر کسی کو بغیر رنگ، نسل اور جنس میں امتیاز کیے بغیر برابر ملنی چاہیے۔ رسول ﷺ نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا:

انّ اللہ تبَارَکَ وَتَعَالیٰ قَد اَعطیٰ لِکُلّ ذِی حَقٍّ حقَّہ [16]

"اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیا ہے۔"

اس موقع پر آپ ﷺ نے بہت سے حقوق (اصول) بیان کیے، اس خطبے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حق کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اسلام نے جن بنیادی حقوق کی صراحت کی ہے وہ کسی نے جدّوجہد کر کے نہیں حاصل کیے ہیں، کسی نے اپنی طاقت کے بل پر ان حقوق کی ضمانت حاصل نہیں کی ہے، بلکہ یہ حقوق بحیثیت انسان اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو دیے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، یا ان کو پامال کرتا ہے تو گویا وہ کسی دوسرے انسان کا حق نہیں مارتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حق مارتا ہے اور اس نے جن حقوق کی ضمانت دی ہے ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے۔

---

[16] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، ج:2، ص:477، رقم الحدیث 2080

اللہ کے رسول ﷺ نے حقوق کا ایک بہت جامع تصور پیش کیا ہے۔ ہم بنیادی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ حقوق کی اسلام میں دو قسمیں کی گئی ہیں ایک اللہ کا حق، دوسرے بندوں کا حق۔ دونوں کا درجہ برابر ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا درجہ بڑا ہے انسانوں کے مقابلے میں۔ اس لیے اللہ کے حقوق کی ادائیگی انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں دونوں حقوق کا تذکرہ ایک ساتھ آیا ہے اور دونوں کی ادائیگی کی تاکید برابر کی گئی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ وَمَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرًا[17]

"اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ حسن سلوک کرو والدین کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، مسکینوں کے ساتھ، اس پڑوسی کے ساتھ جو تمہارا رشتہ دار ہے، اس پڑوسی کے ساتھ جو تمہارا رشتہ دار نہیں ہے اور اس پڑوسی کے ساتھ جس کا تھوڑی دیر کے لیے تمہارا ساتھ ہو گیا ہو اور مسافر کے ساتھ اور اس کے ساتھ جو تمہارا زیر دست ہو۔"

حقوق کی تفصیل ایک حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ کھانے کا وقت آیا تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کھائیے، میں تو روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں کھاؤں گا جب تک آپ ساتھ میں نہیں کھائیں گے۔ چنانچہ دونوں نے ساتھ میں کھانا کھایا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی تو بہت متقی اور پرہیزگار ہیں۔ وہ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور راتوں میں عبادت کرتے ہیں۔ بظاہر تو انہوں نے اپنے شوہر کی تعریف کی تھی، لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہیں؟ انہوں نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اِنّ لربّک علیک حقًّا، ولنفسِک علیک حقًّا، ولِاھلِک علیک حقًّا، واھلک علیک حقًّا[18]

"تم پر تمہارے رب کا حق ہے، تم پر تمہارے نفس کا حق ہے، تم پر تمہارے گھر والوں کا حق ہے اور تم پر تمہارے گھر والوں کا حق ہے۔"

اس حدیث میں بھی حقوق کی ایک جامع تعریف بیان کی گئی ہے اور یہ ساری باتیں اگرچہ ایک صحابی کی بیان کردہ ہیں، لیکن روایت میں ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: صَدَقَ سَلمَان یعنی سلمان نے بالکل صحیح بات کہی۔ گویا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جو باتیں کہی تھیں، انھیں اللہ کے رسول ﷺ کی تائید حاصل ہو گئی۔ حضور ﷺ نے جیسے زندگی کے ہر معاملہ کے اصول دیئے۔

1۔ رشتہ داروں کے بارے میں اصول

اسی طرح آپ ﷺ نے فرد کی اخلاقی اصلاح کے لیے رشتہ داروں سے میل جول کے بھی اصول فراہم کیے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

عَنِ ابنِ عُمَرَ، أَنَّہُ کَانَ إِذَا خَرَجَ إِلَی مَکَّۃَ، کَانَ لَہُ حِمَارٌ یَتَرَوَّحُ عَلَیْہِ، إِذَا مَلَّ رُکُوبَ الرَّاحِلَۃِ وَعِمَامَۃٌ یَشُدُّ بِھَا رَأْسَہُ، فَبَیْنَا ھُوَ یَوْمًا عَلَی ذَلِکَ الْحِمَارِ، إِذْ مَرَّ بِہِ أَعْرَابِیٌّ، فَقَالَ: أَلَسْتَ ابْنَ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ، قَالَ: بَلَی، فَأَعْطَاہُ الْحِمَارَ، وَقَالَ: ارْکَبْ ھَذَا وَالْعِمَامَۃَ، قَالَ: اشْدُدْ بِھَا رَأْسَکَ، فَقَالَ لَہُ: بَعْضُ أَصْحَابِہِ غَفَرَ اللہُ لَکَ أَعْطَیْتَ ھَذَا

[17] النساء 36:4

[18] البخاری، أبو عبد اللہ، محمد بن إسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع ولم یر علیہ قضاء اذا کان اوفق لہ، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص:355، رقم الحدیث:1968

الْأَعْرَابِيَّ حِمَارًا كُنْتَ تَرَوَّحُ عَلَيْهِ، وَعِمَامَةً كُنْتَ تَشُدُّ بِهَا رَأْسَكَ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ وَإِنَّ أَبَاهُ كَانَ صَدِيقًا لِعُمَرَ[19]

" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کی کہ وہ مکہ مکرمہ کے لیے نکلتے تو جب اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو ان کا گدھا (ساتھ ہوتا) تھا جس پر وہ سہولت کے لیے سواری کرتے۔ اور ایک عمامہ (ہوتا) تھا جو اپنے سر پر باندھتے تھے۔ تو ایسا ہوا کہ ایک دن وہ اس گدھے پر سوار تھے کہ ایک بادیہ نشیں ان کے قریب سے گزرا، انہوں نے اس سے کہا؛ تم فلاں بن فلاں کے بیٹے نہیں ہو! اس نے کہا: کیوں نہیں (اسی کا بیٹا ہوں) تو انہوں نے گدھا اس کو دے دیا اور کہا: اس پر سوار ہو جاؤ اور عمامہ (بھی) اسے دے کر کہا: اسے سر پر باندھ لو۔ تو ان کے کسی ساتھی نے ان سے کہا: اللہ آپ کی مغفرت کرے! آپ نے اس بدو کو وہ گدھا بھی دے دیا جس پر آپ سہولت (تکان اتارنے) کے لیے سواری کرتے تھے اور عمامہ بھی دے دیا جو اپنے سر پر باندھتے تھے۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: "والدین کے ساتھ بہترین سلوک میں سے یہ (بھی) ہے کہ جب اس کا والد رخصت ہو جائے تو اس کے ساتھ محبت کا رشتہ رکھنے والے آدمی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔" اور اس کا والد (میرے والد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔"

2۔ ہمسائیوں کے بارے میں اصول

رشتہ داروں ہی کی طرح کی حیثیت پڑوسیوں کی ہوتی ہے۔ آدمی پر اچانک جب کوئی آفت آن پڑتی ہے تو رشتہ دار بعد میں پہنچتے ہیں، اس کی چیخ و پکار پہلے پڑوسیوں تک پہنچتی ہے اور وہ اس کی مدد کے لیے آتے ہیں۔ اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کا حق رشتہ داروں سے بڑھ کر قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ[20]

"حضرت جبریل علیہ السلام میرے سامنے برابر پڑوسی کے حقوق بیان کرتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ وراثت میں بھی اسے حق دار بنا دیں گے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن قیل ومن یا رسول اللہ قال الذي لا یامن جارہ بوائقہ[21]

"واللہ! وہ ایمان والا نہیں، واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ؟ فرمایا وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔"

3۔ خواتین سے برتاؤ کے اصول

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کے اصول بیان کرنے شروع کیے تو خاص طور پر معاشرے کے جو کمزور طبقات تھے، ان کے حقوق پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ زور دیا اور ان کی ادائیگی کی تاکید کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات خطبۂ حجۃ الوداع میں بھی پائے جاتے ہیں اور اس سے ہٹ کر زندگی کے دوسرے مواقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حقوق کی تاکید کی۔ اس زمانے میں جو کمزور طبقات تھے ان میں خاص طور پر عورت تھی۔ عورت چاہے ماں ہو، یا بہن ہو، یا بیوی ہو، یا بیٹی ہو، عرب معاشرے میں اس کو کسی بھی لحاظ سے بنیادی انسانی حقوق حاصل نہیں تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حقوق کی تاکید کی اور عورت بحیثیت عورت کے حقوق بیان کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

---

[19] قشیری، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب صلۃ اصدقاء الاب والام ونحوھما، مکتبہ شاملہ، رقم الحدیث: 6515

[20] قشیری، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ، ج:2، ص334، رقم الحدیث: 6687

[21] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ یوبقھن یھلکھن موبقا مھلکا، ج:2، ص:418، رقم الحدیث: 6016

اِستوصُوا بِالنّساءِ خیراً[22]

"عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا[23]

"ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے ورثے میں لے بیٹھو انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی کردے۔"

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق کی پامالی کے سلسلے میں اللہ سے ڈرنے کی بات کیوں کہی گئی ہے؟ اس لیے کہ تم جو کسی انسان کو اس کا حق دیتے ہو وہ دراصل اللہ کا حق ہوتا ہے، جس کی تم ادائیگی کرتے ہو۔ گویا کسی انسان کے حق کی ادائیگی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی ہے۔

4۔ غلاموں سے برتاؤ کے لیے اصول

اس زمانے میں غلاموں کو کسی طرح کے انسانی حقوق حاصل نہیں تھے۔ ان کا درجہ حیوانات سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے انسانی حقوق بیان کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِخوانُکم خَوَلُکم، جَعَلَھُمُ اللہُ تحتَ اَیدِیکم، فَمَن کَانَ اَخُوہُ تحتَ یَدِہِ فَلیُطعِمہُ مِمَّا یَاکُلُ، وَلیَلبِسہُ مِمَّا یَلبِس، وَلَاتُکَلِّفُوھُم مَا یَغلِبُھُم، فَاِن کَلَّفتُمُوھُم فَاَعِینُوھُم[24]

"یہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارا ماتحت بنادیا ہے۔ پس اگر کسی کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو تو جو وہ خود پہنے وہ اسے بھی پہنائے اور جو خود کھائے وہ اسے بھی کھلائے۔ ان سے کوئی ایسا کام نہ لو جو وہ نہ کرسکتے ہوں۔ اگر ان سے ایسا کام لینا مجبوری ہو تو ان کا تعاون کرو اور ان کا ساتھ دو۔"

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ جس طرح کا کپڑا وہ خود پہنتے تھے اسی طرح کا کپڑا اپنے غلام کو پہناتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ان کی حیثیت کے مطابق انہیں دوسرا کپڑا پہنا سکتے ہیں۔ اس پر انھوں نے یہ حدیث سنائی۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

---

[22] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء، ج:2، ص:285، رقم الحدیث:5186

[23] النساء4:19

[24] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق وفضلہ وقول اللہ تعالیٰ فک رقبۃ او اطعام الخ، باب قول النبی ﷺ العبید اخوانکم فاطعموھم الخ، ص:447، رقم الحدیث:2545

قال ابو مسعود البدري: "كنت اضرب غلاما لي بالسوط، فسمعت صوتا من خلفي اعلم ابا مسعود فلم افهم الصوت من الغضب، قال: فلما دنا مني إذا هو رسول الله ﷺ فإذا هو يقول: اعلم ابا مسعود اعلم ابا مسعود، قال: فالقيت السوط من يدي، فقال: اعلم ابا مسعود ان الله اقدر عليك منك على هذا الغلام، فقلت: لا اضرب مملوكا بعده ابدا[25]"

"حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے ایک غلام کو کوڑے سے مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی: "ابو مسعود! جان لو۔" میں غصے کی وجہ سے آواز نہ پہچان سکا، کہا: جب وہ (کہنے والے) میرے قریب پہنچے تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے، آپ فرما رہے تھے: "ابو مسعود! جان لو، ابو مسعود! جان لو۔" کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے کوڑا پھینک دیا، تو آپ نے فرمایا: "ابو مسعود! جان لو۔ اس غلام پر تمہیں جتنا اختیار ہے اس کی نسبت اللہ تم پر زیادہ اختیار رکھتا ہے۔" تو میں نے کہا: اس کے بعد میں کسی غلام کو کبھی نہیں ماروں گا۔"

اس حدیث پر ہم غور کریں۔ دیکھیں کہ اس زمانے میں غلاموں کی کیا حیثیت تھی؟ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو کتنا بلند مقام عطا کیا۔ انہیں بھائی قرار دیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے جیسا بھائی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

5۔ انسانی جان کے تحفظ کا اصول

حقوق انسانی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اخلاقی اصلاح کے لیے کیا بنیادی حقوق بیان کیے ہیں؟ اور ان حقوق کی کیا ضمانت دی ہے؟ سب سے پہلا حق جان کا ہے۔ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کی جان کے درپے ہو اور اس کو قتل کرے۔ انسانی جان کی پامالی آج ہمارے معاشرے میں عام ہو گئی ہے۔ ہمارے ملک ہی میں نہیں، بلکہ پوری دنیا میں جتنی پامالی ہو رہی ہے اتنی انسانی تاریخ نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ اس کے متعلق قرآن مجید کی آیتیں بھی ہیں، لیکن میں یہاں صرف حدیث پیش کرتا ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَزَوالُ الدُّنْيا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ[26]

"پوری دنیا کا فنا ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے ہلکا ہے۔"

انسانی جان کا آپ ﷺ نے کتنا احترام بتایا ہے؟ اس کا اندازہ ان احادیث سے لگایا جا سکتا ہے۔ ان میں اگرچہ مسلمان کا تذکرہ ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی سزا بیان کی گئی ہے، کسی غیر مسلم کو قتل کرنے کی یہ سزا نہیں ہے۔ ایسی تمام حدیثیں جن میں کسی مسلمان کا تذکرہ ہو، ان کے بارے میں محدثین کہتے ہیں: ذِكرُ المُسلِمِ غَالِبِيّ، یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے جس معاشرے میں یہ باتیں کہی ہیں اس کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی، اس لیے آپ نے مسلمان کا تذکرہ کیا، ورنہ جتنا جرم عمل کسی مسلمان کو قتل کرنا ہے اتنا ہی گھناؤنا اور قابل جرم عمل کسی بے قصور غیر مسلم کو قتل کرنا ہے۔ چنانچہ حدیث میں اس کی بھی صراحت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

الا من قتل نفسا معاهدة له ذمة الله وذمة رسوله فقد اخفر بذمة الله فلا يرح رائحة الجنة وإن ريحها لتوجد من مسيرة سبعين خريفا[27]

جس نے کسی ایسے ذمی کو قتل کیا جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ حاصل تھی تو اس نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا، لہٰذا وہ جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت (دوری) سے آئے گی۔

---

[25] قشیری، الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب الصحبۃ الممالیک، ج:2، ص:62، رقم الحدیث:4306

[26] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی تشدید قتل المومن، ج:1، ص:391، رقم الحدیث 1355

[27] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فیمن یقتل نفسا معاھدا، ج:1، ص:391، رقم الحدیث 1364

6۔ والدین کی فرمابرداری کے اصول

اسی طرح رسول ﷺ نے شخصی اصلاح کے لیے والدین کے حقوق کے لیے بھی اصول بیان فرمائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُم عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ البَنَاتِ[28]

"اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو، اسی طرح اس نے تم پر یہ بھی حرام کیا ہے کہ تم لڑکیوں کو زندہ در گور کرو۔"

7۔ جان، مال اور آبرو کے تحفظ کا اصول

ایک دوسرا حق عزت و آبرو کا ہے۔ کسی کو کسی کی عزت سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان فرمایا تھا: اے لوگو! بتاؤ، آج کون سا دن ہے؟ یہ کون سا مہینہ ہے؟ یہ کون سا شہر ہے؟ ہر سوال کے جواب میں صحابۂ کرام نے فرمایا: یہ محترم دن ہے، یہ محترم مہینہ ہے، یہ محترم شہر ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُم وَأَموَالَكُم وَأَعرَاضَكُم عَلَيكُم حَرَامٌ كَحُرمَةِ يَومِكُم هَذَا فِي شَهرِكُم هَذَا فِي بَلَدِكُم هَذَا[29]

"تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت و آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کا دن، یہ شہر اور یہ مہینہ حرام ہے۔"

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

بَايِعُونِي عَلَى أَن لَا تُشرِكُوا بِاللَّهِ شَيئًا وَلَا تَسرِقُوا وَلَا تَزنُوا[30]

"مجھ سے بیعت کرو اس پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو گے، کسی کا مال چوری نہ کرو گے، کسی کے ساتھ بدکاری نہ کرو گے۔ "

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَن كَانَت لَهُ مَظلِمَةٌ لِأَحَدٍ مِن عِرضِهِ أَو شَيءٍ فَلْيَتَحَلَّلهُ مِنهُ اليَومَ، قَبلَ أَن لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرهَمٌ، إِن كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنهُ بِقَدرِ مَظلِمَتِهِ، وَإِن لَم تَكُن لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِن سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيهِ[31]

"جس شخص نے کسی کی عزت و آبرو یا کسی اور تعلق سے کسی پر زیادتی کی ہو تو وہ آج ہی اس سے اپنے آپ کو پاک کر لے، یعنی اس سے معافی مانگ لے، اس دن سے قبل جب دینار و درہم کام نہیں آئیں گے، بلکہ اس شخص کے نیک اعمال اس شخص کو دے دیے جائیں گے جس پر اس نے کسی طرح کی زیادتی کی ہو گی اور اگر اس کے نیک اعمال ختم ہو گئے تو اس شخص کی برائیاں اس پر لاد دی جائیں گی اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

8۔ نجی زندگی کے تحفظ کا اصول

---

[28] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس، باب ماینھی عن اضاعۃ المال، ص:423، رقم الحدیث:2408

[29] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناسک، باب الخطبۃ ایام منی، ص:322، رقم الحدیث:1741

[30] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب الحدود کفارہ، ص:536، رقم الحدیث:6784

[31] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی ﷺ فی الیوم واللیلۃ، ص:460، رقم الحدیث:6307

ایک اہم اصول جو بہت زیادہ پامال ہوتا ہے وہ ہے نجی زندگی کے تحفظ کا اصول ہے۔ کسی شخص کو کسی کی جاسوسی کرنے کا حق نہیں ہے، کسی کی نجی زندگی میں جھانکنے کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر کوئی برائی کر رہا ہے تو کسی بھی تدبیر سے اس برائی کو ریکارڈ کرنے اور اس کو عوام میں پھیلانے کا حق نہیں ہے۔ یہ بات قرآن میں کہی گئی ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوْا[32]

"اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگو۔"

یہ بات اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث میں بھی بار بار آئی ہے۔

اطلع رجل من جحر في حجر النبي ﷺ، ومع النبي ﷺ مدری یحک بہ راسہ، فقال:" لو اعلم انک تنتظر، لطعنت بہ في عينک، إنما جعل الاستئذان من اجل البصر[33]"

"ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے کسی حجرہ میں سوراخ سے دیکھا، نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت ایک کنگھا تھا جس سے آپ سر مبارک کھجا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو یہ کنگھا تمہاری آنکھ میں چبھو دیتا (اندر داخل ہونے سے پہلے) اجازت مانگنا تو ہے ہی اس لیے کہ (اندر کی کوئی ذاتی چیز) نہ دیکھی جائے۔"

ہر انسان پر بحیثیت فرد لازم ہے کہ ان اصول و ضوابط کی پاسداری کرے، چاہے وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی، آقا ہو یا غلام، چاہے وہ جس سماجی حیثیت کا مالک ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے اس چیز کی ضمانت دی ہے کہ اس کے تمام بنیادی حقوق ادا کیے جائیں اور اس میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی جائے۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے پہلے سورۃ حجرات کی تلاوت کی:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ[34]

"لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا، تاکہ تمہارا ایک دوسرے سے تعارف ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہے۔"

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَبْيَضَ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلَى أَسْوَدَ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوَى[35]

"لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جاسکو، تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجم پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں! بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔"

---

[32] الحجرات 12:49

[33] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستیذان، باب الاستئذان من اجل البصر، ص:449، رقم الحدیث:6241

[34] الحجرات 13:49

[35] والبیہقی، ابو بکر، شعب الایمان، فصل و مما یجب حفظ اللسان منہ الفجر بالآباء، مکتبہ شاملہ، ج:4، ص:289، رقم الحدیث:5137

حدیث حجۃ الوداع کی معنویت، جامعیت اور عظمت کا احساس ہمیں اس وقت ہو گا جب اس زمانے کا عرب معاشرہ ہماری نگاہوں میں ہو۔ عرب اپنے آپ کو دنیا کی تمام مخلوقات سے برتر سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ ان کو 'عجم' کہتے تھے۔ عجم کے معنٰی ہوتے ہیں گونگا۔ پھر عربوں میں بھی بعض قبیلے ایسے تھے جو اپنے آپ کو برتر اور دوسرے قبیلوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ مثال کے طور پر قریش کے لوگ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ حج کے دوران مزدلفہ تک ہی جاتے تھے اور دوسرے لوگوں کو تمام مراسم کی ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔ دوسرے قبائل میں بھی اونچ نیچ کا تصور راسخ تھا۔ جس معاشرے میں قبیلوں کے درمیان اتنی اونچ نیچ تھی، اس میں آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ کسی طرح کی کوئی اونچ نیچ نہیں ہے۔ بحیثیت انسان تمام انسان برابر ہیں۔ یہ محض آپ ﷺ کی تعلیمات ہی نہیں تھیں، بلکہ ان پر آپ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: بلال تم خانہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دو۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ منظر دیکھ کر بعض لوگوں کی قبائلی عصبیت بھڑک اٹھی۔ ایک صاحب تو کہنے لگے: اچھا ہوا کہ اس منظر کو دیکھنے سے پہلے میرے باپ کا انتقال ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ہر طرح کی جاہلی عصبیت اور اونچ نیچ کو ختم کیا۔

9۔ عوام الناس کا پیغام ہدایت سے آگاہی کا اصول

لیبلغ الشاهد الغائب، فإن الشاهد عسى ان یبلغ من هو اوعى له منه[36]

"سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتادیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔"

اس کے علاوہ بھی حضور ﷺ نے زندگی کے ہر معاملے میں حلال و حرام کا اصول، صلح رحمی کا اصول، امانت ادا کرنے کا اصول، یتیم کے مال کی حفاظت کا اصول، دوسروں سے معاملات کے اصول وغیرہ۔ گویا کہ زندگی کے ہر ہر معاملے کے بارے میں رسول ﷺ نے فرد کی اخلاقی اصلاح کے لیے اصول دیئے۔

نتائج

آخر میں محققہ اس جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتی ہے کہ حقوق انسانی کے چارٹر کی دفعات پر ہم تنقید کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو صرف خوبصورت نعرے ہیں، محض اعلانات ہیں، لیکن ان کے پیچھے قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم اسلامی تعلیمات پیش کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پیش کرتے ہیں اور ان کے امتیازات بیان کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے لیے غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ اگر ہم بھی ان ارشادات اور تعلیمات کو مختلف مواقع پر صرف بیان کر دیا کریں، ہماری زندگیوں میں ان کے اثرات نہ پائے جاتے ہوں تو گویا ہم بھی ان ارشادات کو خوب صورت نعروں کے انداز میں پیش کرنے والے ہوں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود بھی ان تعلیمات پر عمل کریں اور اپنی زندگیوں میں انہیں نافذ کریں۔ افسوس ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کی ان تعلیمات پر عمل نہیں کیا جاتا اور ان کی حیثیت خوبصورت نعروں کی ہو کر رہ گئی ہے۔ تمام مسلم ممالک کا حال ہمارے سامنے ہے۔ ان میں انسانی حقوق کی جتنی پامالی ہو رہی ہے اتنی غیر مسلم ممالک میں بھی نہیں ہوتی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے اور اللہ کے رسول ﷺ کی دی ہوئی ان تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انہی اصولوں پر عمل کرنے سے انسان کی فکری و اخلاقی تربیت پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

خلاصہ بحث

اس مقالے میں محققہ نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عہدِ جاہلیت میں رائج سماجی و اخلاقی برائیوں کی اصلاح کس حکمت اور تدریج کے ساتھ فرمائی۔ تحقیق کے دوران یہ حقیقت سامنے آئی کہ آپ ﷺ نے اصلاح کے لیے محض وعظ و نصیحت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عملی نمونہ، اخلاقی تربیت اور تدریجی حکمتِ عملی کو بنیاد بنایا۔

---

[36] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب قول النبی: "رب مبلغ اوعی من سامع"، ص:73، رقم الحدیث:68

اس تحقیق میں محققہ نے ظاہر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے انسانی برادری کو عدل، مساوات، عفو و درگزر، خیر خواہی اور حقوق العباد جیسے اصولوں پر استوار کیا۔ عہدِ جاہلیت کے رسوم، قبائلی عصبیت اور اخلاقی انحرافات کو بدلنے کے لیے آپ ﷺ نے اخلاقی تعلیمات کو معاشرتی ڈھانچے کا حصہ بنایا، جس کے نتیجے میں ایک ایسی معاشرت وجود میں آئی جو امن، رواداری اور اعلیٰ اقدار کی حامل تھی۔

تمام شواہد کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبوی ﷺ اصولِ اصلاح نہ صرف اُس وقت کی انسانی سوسائٹی کے لیے ہدایت اور فلاح کا ذریعہ تھے بلکہ آج کے معاشرتی اور اخلاقی بحرانوں میں بھی راہنمائی کا کامل سرچشمہ ہیں۔ یہ اصول انسانی رویّوں میں توازن پیدا کرتے، سماجی ناانصافیوں کا خاتمہ کرتے اور ایسے ہمہ گیر اقدار فراہم کرتے ہیں جو جدید معاشروں کو امن، اعتدال اور پائیدار ترقی کی طرف رہنمائی دیتے ہیں۔